Fikr-o-Nasar (Islamabad) 3:11-12 (1966)

امام ابو داؤد صاحب السنن کے اصول درایت

عبدالهادی ناصر، ایم۔ اے

احادیث کی صحت اور عدم صحت کو جانچنے کے لئے جہاں علمائے حدیث نے ایسے اصول وضع کئے ہیں جو روایات کے نفسِ مضمون اور راویوں کے حالات جانچنے کے متعلق ہیں، اور جنہیں اصولِ روایت کہا گیا ہے، وہاں ایسے اصول بھی مرتب کئے گئے، جن کا تعلق عقل سے ہے، یعنی عقلی تحقیق و تدقیق کے ذریعہ یہ معلوم کیا جائے کہ حدیث میں بیان کردہ بات عقلی طور پر بھی درست ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر کوئی روایت سند کے اعتبار سے ثقہ ہو، لیکن روایت کے اصولوں پر پوری نہ اُترے، تو اُسے رد کر دیا جائے گا۔

اُصول روایت یہ ہیں:-

(۱) روایت نص قرآنی کے خلاف نہ ہو۔

(۲) روایت سنتِ متواترہ یا اپنے سے قوی تر روایت کے خلاف نہ ہو۔

(۳) اجماعِ اُمت یعنی صحابہ یا تابعین کے اجماع کے خلاف نہ ہو۔

(۴) عقل کے صریح خلاف نہ ہو۔

(۵) کسی ثابت شدہ مسلّمہ حدیث کے خلاف نہ ہو۔

(۶) اگر کوئی قرینہ حال روایت کے کذب پر شاہد ہو تو حدیث ردّ کی جائے گی۔

(۷) روایت دقیق المعانی اور قواعد عربیہ کے خلاف نہ ہو۔

(۸) روایت میں بیان شدہ بات شانِ نبوت کے خلاف نہ ہو۔

(۹) ایسی روایت جس میں معمولی سی خطا پر سخت ترین عذاب کی دھمکی دی گئی ہو، یا معمولی سی نیکی پر بہت بڑے انعام کا وعدہ دیا گیا ہو، ناقابلِ اعتبار ہوگی۔

(۱۰) اگر کسی ایسے واقعہ کے متعلق جو اگر وقوع پذیر ہوتا تو اُس کے بیان کرنے والے راویوں کی تعداد بکثرت ہوتی، لیکن اس کا راوی صرف منفرد ہو، تو وہ روایت مردود ہوگی۔

یہ وہ اصول ہیں، جو محدثین کے لئے بطورِ کسوٹی کے تھے، جس پہ پرکھ کر وہ فوراً فیصلہ کر لیتے تھے کہ یہ روایت صداقت کے معیار پہ پوری اُترتی ہے یا نہیں، اس طرح انہوں نے احادیثِ صحیحہ کو موضوع روایات سے ملتبس ہونے سے بچا لیا، اور کھرے اور کھوٹے کی اس طرح نشان دہی کر دی کہ غلطی کا امکان نہیں رہتا۔ محدثین کا یہ عظیم الشان کارنامہ ہے، جس کی وجہ سے وہ ہمارے احترام کے مستحق ہیں۔

احادیث کے جو مستند مجموعے تیار ہوتے، علمائے اُن کی تدوین میں حتیٰ الوسع یہ کوشش کی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ صحیح اور معتبر روایات بیان کریں۔ اس مقصد کے لئے ہر شیخ نے اخذِ روایات کی مختلف شرائط اپنے لئے وضع کیں اور اُن کی پابندی کی۔ جس قدر کسی شیخ کی شرائط کڑی ہوں، اُسی قدر اُس کی بیان کردہ روایات کو زیادہ صحیح سمجھا جاتا ہے۔

امام ابو داؤد شیخین کی طرح احادیث کے ردّ و قبول میں بہت محتاط تھے، اور احادیث کی جانچ پڑتال کرنے میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، چناں چہ صحیح و سقیم، قوی و ضعیف، مشہور و منکر، حسن و شاذ، ہر طرح کی روایات کے پرکھنے میں اُن کے کمال کے تمام بڑے بڑے محدثین بھی معترف ہیں۔

علامہ خطیب بغدادی، احمد بن محمد ہروی جو بلند پایہ محدث تھے، اُن کا یہ قول بیان کرتے ہیں:۔

سلیمان بن اشعث ابو داؤد سنجری اُن محدثینِ اسلام میں ایک ہیں جو حدیثِ نبوی کے علم علل اور اسناد کے حافظ ...... اور حدیثِ نبوی کے شاہ سواروں میں سے ہیں[1]۔

اور حافظ ابو عبداللہ بن مندہ کا قول ہے:۔

وہ علما جن کو صحیح احادیث کی تخریج اور ثابت و معلول اور درست و غلط احادیث میں تمیز کرنے میں کمال حاصل ہے، چار ہیں۔ ابو عبداللہ البخاری، ابو حسین مسلم بن حجاج، ابو داؤد سجستانی، اور عبدالرحمٰن النسائی۔

امام ابو داؤد نے اخذِ روایت میں مقدور بھر یہ کوشش کی ہے کہ وہ صحیح روایات نقل کریں اور

---

[1] وفیات الاعیان تاریخ ابن خلکان جلد ۱ صـ ۲۸۲

آپ ہمیشہ ان احادیث کو ترجیح دیتے، جو سند کے اعتبار سے بلند اور اعلیٰ درجہ کی ہوتیں، چنانچہ آپ بہت حد تک اس میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ سنن کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ خطابی لکھتے ہیں:۔

محدثین کے نزدیک حدیث کی تین اقسام ہیں، صحیح، حسن اور سقیم، صحیح وہ ہے جس کی سند متصل اور عدالت واضح ہو، اور حسن وہ ہے، جس کا مخرج معروف اور رجال مشہور ہوں۔ انہیں پر اکثر احادیث کا مدار ہے اور علماء و فقہاء انہیں کو قبول کرتے اور اُن پر عمل کرتے ہیں اور امام ابوداؤد کی کتاب ان دونوں اقسام پر مشتمل ہے یعنی احادیث صحیح اور حسن پر، اور سقیم حدیث وہ ہے جس میں موضوع مقلوب یا مجہول کی کوئی علت پائی جائے اور امام ابوداؤد کی سنن سقیم روایات سے بالکل پاک ہے اور اگر شاذ و نادر کوئی سقیم روایت آ بھی گئی ہے تو امام صاحب اس کی حقیقت و نوعیت بیان کر کے ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے ہیں[۲]

امام ابوداؤد سے آپ کی سنن میں مروی روایات کے متعلق کسی نے خط کے ذریعہ دریافت کیا، تو آپ نے اسے جواب میں لکھا:۔

"میں نے اس (سنن) میں صحیح اور اس سے مشابہ اور اُس کے قریب قریب احادیث بیان کی ہیں اور جہاں کہیں میں نے روایت میں ضعف پایا، اس کو ظاہر کر دیا"[۳]

حافظ ابن قیم اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

امام ابو داؤد کا یہ قول (حدیث کی) پانچ اقسام پر مشتمل ہے، اوّل صحیح اور اس سے مراد صحیح لذاتہ ہو سکتی ہے۔ دوم اس کے مشابہ، اس سے صحیح لغیرہ مراد ہو سکتی ہے۔ سوم جو اس سے قریب ہو، اس سے مراد حسن لذاتہ ہو سکتی ہے، چہارم، جس میں شدید وھن ہو۔ اور امام ابوداؤد کے قول "مالا یفھم" سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس میں وھن زیادہ شدید نہیں اور یہ پانچویں قسم ہو گی۔ اگر کسی دوسری روایت سے اسے تقویت حاصل نہ ہو سکے، تو صرف اعتبار کے قابل ہو گی۔ اور اگر دوسری روایت سے تقویت حاصل ہو جائے تو وہ حسن لغیرہ ہو جائے گی۔

---

[۲] معالم السنن ج ۱ - ۶ [۳] الحطۃ فی ذکر صحاح الستۃ ص ۱۰۹

علامہ ذہبی اپنی تصنیف سیر النبلاء میں لکھتے ہیں کہ سنن ابی داؤد میں اعلیٰ اور مستند روایتیں ہیں، جن کی شیخین نے تخریج کی ہے۔ اس قسم کی حدیثیں نصف کتاب پر مشتمل ہیں۔ اس کے بعد وہ روایتیں ہیں جن کی شیخین میں سے کسی ایک نے تخریج کی ہے۔ اس کے بعد اُن روایتوں کا درجہ ہے جن کی سند اقوی جیّد ہے، اور وہ علت و شذوذ سے پاک ہیں، پھر وہ حدیثیں ہیں جو صالح سمجھی جاتی ہیں۔ اور وہ تین طریقوں سے مروی ہونے کی بنا پر محدثین نے اُنہیں قبول کر لیا ہے، بعض روایتیں اگر راوی کے سوء حفظ کی وجہ سے ضعیف ہیں تو اُن کے متعلق امام صاحب نے سکوت اختیار کیا ہے۔ اور بعض راوی کے لحاظ سے ایسی ضعیف بھی ہیں جن کے ضعف کی اُنہوں نے نشان دہی کر دی ہے اور کبھی وہ ضعیف کے بارے میں اس لئے خاموش رہتے ہیں کہ نکارت کا پہلو بہت واضح اور مشہور ہوتا ہے۔

علامہ ذہبی کے اس بیان کا اگر علامہ خطابی کے بیان سے جو پیچھے گزر چکا ہے موازنہ کیا جائے، تو ان میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ذہبی نے ضعیف روایتوں کے سنن میں موجود ہونے کو برملا بیان کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض جگہ امام صاحب نے ضعف کے اظہار سے سکوت اختیار کیا ہے۔ لیکن علامہ خطابی اوّل تو سنن کو ضعیف احادیث کی اہم اقسام مقلوب، مجہول اور موضوع وغیرہ سے یکسر پاک قرار دیتے ہیں اور اگر شاذ کے طور پر بعض روایات بیان ہو بھی گئی ہوں تو امام ابوداؤد نے اس کے ضعف وغیرہ کو بیان کر دیا ہے، خوش قسمتی سے خود امام ابوداؤد نے بڑی تفصیل کے ساتھ روایاتِ سنن کے متعلق یہ بیان کر دیا ہے کہ وہ کس قسم کی حدیثیں ہیں۔ آپ کی رائے کو سامنے رکھ کر روایات کے متعلق فیصلہ کرنا بہت آسان ہو جاتا ہے، کیونکہ مصنف سے بڑھ کر کوئی دوسرا شخص اس کے بارے میں صحیح رائے زنی نہیں کر سکتا۔

امام ابوداؤد نے اہلِ مکہ کو ایک خط کے جواب میں ایک طویل رسالہ لکھا، جس میں انہوں نے اپنی کتاب کا تفصیلی تعارف کرایا ہے جو مختصراً یہاں بیان کیا جاتا ہے، امام صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

آپ لوگوں نے مجھ سے یہ دریافت کیا ہے کہ میں یہ بتاؤں کہ کتاب السنن میں جو حدیثیں ہیں، آیا یہ میرے علم کے مطابق صحیح ترین احادیث ہیں، سو آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ سب ایسی ہی ہیں سوائے اس کے کہ وہ حدیث دو طریقوں سے مروی ہو اور اُن میں سے ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہو (یعنی اس کی سند اعلیٰ اور اس میں واسطے کم ہوں) اور دوسرا حفظ میں بڑھا ہوا ہو، تو اس صورت میں کبھی اوّل الذکر

طرق کو بھی بیان کر دیتا ہوں اور جب کسی باب میں، میں نے کسی حدیث کو دو یا تین طریقوں سے دہرایا ہے تو اس لیئے کہ اس میں کوئی بات تھی۔ کبھی اس میں دوسری احادیث کی ... ت صرف ایک ہی لفظ زیادہ تھا اور بعض دفعہ میں نے طویل حدیث کو مختصراً ذکر کیا ہے۔ کیوں کہ اگر اس کو پوری نقل کرتا تو بعض سامعین کو پتہ بھی نہ چلتا اور اس میں جو فقہ کا مسئلہ تھا، وہ سمجھ میں ہی نہ آتا۔ لہذا اُس کا اختصار کرنا پڑا۔ جہاں تک مرسل احادیث کا سوال ہے، سو اُسے گزشتہ عہد کے علماء مثلاً سفیان ثوری، مالک بن انس اور اوزاعی حجت مانتے رہے، یہاں تک کہ شافعی آتے اور انہوں نے ان پر کلام کرنا شروع کیا۔ اور پھر احمد بن حنبل وغیرہ آئمہ نے اُنہیں کی اتباع کی، سو جب کوئی مستند روایت کسی مرسل روایت کے خلاف موجود نہ ہو، اور سند روایت نہ پائی جائے۔ تو ایسی صورت میں مسند روایت کو بھی مانا جائے گا، لیکن وہ قوت میں متصل روایت کے برابر نہ ہوگی، اور کتاب السنن میں جس کو میں نے تصنیف کیا ہے، کسی متروک الحدیث شخص سے کوئی روایت بیان نہیں کی۔ اور اگر اس میں کوئی منکر روایت آگئی ہے، تو میں نے اس کا منکر ہونا بیان کر دیا ہے، اور ایسا اس صورت میں ہوا ہے، جب اس باب میں اُس کے علاوہ اور کوئی روایت نہ تھی

اور میری کتاب میں جو حدیث ایسی تھی کہ اس میں ذرا زیادہ کمزوری تھی، تو میں نے اس کو بیان کر دیا ہے، اور اس میں وہ روایت آگئی ہے، جس کی سند صحیح نہیں اور جس روایت کے بارے میں میں نے کچھ نہیں کہا، تو وہ صحیح ہے، اور اُن میں سے بعض، بعض سے صحت میں بڑھی ہوئی ہیں، اور ایسی کتاب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنّت بھی ٹھیک اسناد سے تمہیں ملے گی، وہ ضرور اس میں موجود ہوگی، سوائے اس کے کہ وہ کوئی ایسی بات ہو، جس کا استنباط حدیث سے کیا گیا ہو، اور اس کا امکان بھی بہت کم ہے۔

میرے علم میں قرآن کریم کے بعد جتنا اس کتاب کا سیکھنا لوگوں کے ذریعہ ضروری ہے، اتنا اور کسی چیز کا نہیں، اور اس کتاب کو لکھ لینے کے بعد اگر کوئی شخص کوئی اور چیز نہ بھی لکھے تو اسے کچھ نقصان نہیں، جب کوئی شخص اس کتاب کو دیکھے گا اور اس میں غور کرے گا اور اس کو سمجھے گا، تو اس کو اس کی قدر معلوم ہوگی۔

اور یہ مسائل یعنی مسائل ثوری، مالک اور شافعی کے جو ہیں ان کی بنیاد بھی انہیں احادیث پر

ہے۔ تاہم مجھے یہ بات پسند ہے کہ اس کتاب کے ساتھ ساتھ صحابہ کے فتویٰ کو بھی قلم بند کیا جائے۔ نیز کوئی ایسی کتاب بھی لکھ لی جائے جیسی کہ سفیان ثوری کی جامع ہے، وہ ان سب جوامع میں جو لوگوں نے تصنیف کی ہیں، سب سے اچھی ہے، اور جو حدیثیں میں نے کتاب السنن میں درج کی ہیں، ان میں سے اکثر مشہور روایات ہیں، جو ہر ایک شخص کے پاس موجود ہیں کہ جس نے تھوڑا بہت بھی احادیث کو لکھا ہے لیکن ان میں تمیز کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں، ان روایات کو مشہور ہونے کا فخر حاصل ہے، اس لئے اسے کسی غریب حدیث کی حجّت پکڑنے کی ضرورت نہیں، اگرچہ مالک بن انس، یحیٰ بن سعید اور ان جیسے دیگر ثقہ ائمہ کی روایت کو اگر کوئی شخص کسی غریب حدیث سے دلیل یا حجّت پکڑے اور کسی ایسے شخص کی حدیث جس پر طعن کی گئی ہو، اس حدیث پر جس سے دلیل بیان کی گئی ہے، حجّت قائم نہ کر سکے، تو وہ حدیث غریب شاذ ہو گی۔ مشہور متصل صحیح حدیث کو کوئی شخص ردّ نہیں کر سکتا۔ ابراہیم نے کہا ہے، وہ لوگ غریب حدیث کو بُرا جانتے ہیں اور یزید بن حبیب نے کہا ہے جب تم کوئی حدیث سنتے ہو، تو اُس کو اس طرح تلاش کرو جس طرح کسی گم شدہ چیز کی تلاش کی جاتی ہے۔ اگر وہ معروف ہو تو لے لو ورنہ ترک کر دو۔

کتاب السنن کی احادیث میں جو حدیث متصل نہیں ہے، وہ مرسل اور متواتر ہے۔

وہ اس حدیث کی مانند ہے جو جابر، حسن عن ابی ھریرہ اور حکم عن مقسم عن ابن عباس سے روایت کریں اور یہ متصل نہیں ہے، حکم نے مقسم سے صرف چار حدیثیں سنیں، جو اس سنن میں نہیں ہیں، جہاں تک ابو اسحاق کا حارث کے ذریعہ علی سے سماع کا سوال ہے، تو ابو اسحاق نے حارث سے صرف احادیث کا سماع کیا، جن میں سند روایت کوئی نہیں۔ کتاب السنن میں اس قبیل کی روایات سوائے چند ایک کے بیان نہیں ہوئیں اور حارث اعور کی صرف ایک حدیث اس میں مروی ہے، اس کے بھی آخر میں میں نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔

بعض اوقات کسی حدیث میں کوئی ایسی بات ہوئی، جس سے حدیث کی صحت ثابت نہیں ہوئی یا مجھ پر وہ امر مخفی رہا تو میں نے اس حدیث کو ترک کر دیا، نیز اس میں عوام الناس کے لئے ضرر کا احتمال ہو سکتا تھا کہ اس باب میں بیان کردہ حدیث کی ہر بات ظاہر کر دی جائے۔ اس لئے کہ عوام النّاس کا علم اس کو سمجھنے کے لئے کم ہوتا ہے۔ اس سنن میں میری کتب کی تعداد مع مراسیل اٹھارہ

اجزاء پر مشتمل ہے، جن میں مرسل روایات کی ایک جزء ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی ایسی روایت مروی نہیں، جو صحیح نہ ہو اور اگر ان میں سے روایت کی کوئی دوسری سند بھی موجود ہو تو وہ صحیح متصل ہو گی، میری سنن میں احادیث کی تعداد چار ہزار آٹھ سو ہے، جن میں سے چھ سو کے قریب مرسل روایات ہیں۔

اور میں نے کتاب السنن میں صرف احکام ہی کو تصنیف کیا ہے۔ زہد اور فضائلِ اعمال وغیرہ کو بیان نہیں کیا۔ سو یہ چار ہزار آٹھ سو احادیث ہیں، جو سب کی سب احکام پر مشتمل ہیں، اور بہت سی صحیح احادیث زہد اور فضائل وغیرہ کی ان کے علاوہ بھی موجود تھیں، مگر میں نے اُن کی تخریج نہیں کی۔

والسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

امام ابوداؤد کے رسالے کے اقتباس بالا سے یہ اُمور مستنبط ہوتے ہیں :۔

(۱) امام صاحب کے نزدیک سنن کی تمام احادیث جن کی تعداد چار ہزار آٹھ سو ہے، صحیح احادیث ہیں، سوائے مراسیل کی ایک جزء کے، جن کی تعداد چھ سو کے قریب ہے۔

(۲) اگر کوئی روایت ایک سے زائد طرق سے مروی ہو تو آپ عالی سند کو بیان کرتے ہیں۔

(۳) اس میں تکرار سے بچا گیا ہے، تکرار صرف اس صورت میں ہے کہ اس میں کوئی زائد بات تھی۔

(۴) لمبی احادیث کو حصولِ مقصد کے لئے اختصار کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

(۵) کسی متروک الحدیث شخص کی کوئی روایت بیان نہیں کی گئی۔

(۶) شاذ کے طور پر اگر کوئی منکر یا ضعیف روایت بیان کی گئی ہے، تو اس کی نکارت کی طرف نشان دہی کر دی گئی ہے۔ اور ضعف کو واضح کر دیا گیا ہے۔

(۷) جس روایت کے بارے میں امام صاحب نے خاموشی اختیار کی، وہ صحیح ہے۔

(۸) جو حدیث متصل نہیں، وہ مرسل اور متواتر ہے۔

(۹) جس روایت کی صحت میں امام صاحب کو شک رہا یا آپ اُسے سمجھ نہ سکے، تو آپ نے اُسے بیان نہیں کیا۔

(۱۰) کتاب السنن کی تمام روایات احکام کے بارے میں ہیں، جن کا تعلق فقہی مسائل سے ہے۔

ان کے علاوہ امام ابوداؤد کی شرائط کے متعلق حافظ عبداللہ بن مندہ کا قول ہے :۔

امام ابوداؤد اور نسائی کی تخریج احادیث کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ اس شخص سے حدیث لیتے جس

کے ترک پر لوگوں کا اتفاق نہ ہوتا۔

اور حافظ عبد البر تحریر فرماتے ہیں:۔

جس روایت کے متعلق امام ابوداؤد نے سکوت اختیار کیا ہو، وہ آپ کے نزدیک صحیح ہے۔

ان تمام امور سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ امام ابو داؤد نے اخذ روایت میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن اس کے باوجود بعض اوقات انتہائی مجبوری کی حالت میں آپ کو بعض ضعیف اور مرسل روایات بھی بیان کر دینی پڑیں۔ لیکن ایک تو آپ نے اُن کے ضعف کو واضح کر دیا ہے، دوسرے صحیح روایات کے مقابلے میں ان کی تعداد اس قدر کم ہے کہ اس سے سنن کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ علامہ ذہبی کے بیان کا آخری حصہ جس سے ذہن میں ضعیف روایات کے بکثرت بیان ہونے اور بعض جگہ اُن کے ضعف کے پردۂ اخفاء میں رہنے کا جو تاثر پیدا ہوتا ہے، وہ صحیح نہیں اور نہ علامہ خطابی کا یہ قول سو فی صد درست ہے کہ سنن ضعیف روایات سے بالکل پاک ہے۔

امام ابو داؤد نے چونکہ شیخین کی شرائط کے مطابق احادیث کی تخریج کی، اس لئے آپ کی سنن میں ایسی روایات بکثرت ہیں، جن کو شیخین نے بھی اپنی کتب میں بیان کیا ہے، نیز جو روایت کسی ایک شیخ کی شرائط پر بھی پوری اُتری، امام صاحب نے اُسے بھی بیان کر دیا۔

امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ میں نے سنن کو پانچ لاکھ احادیث سے منتخب کیا ہے، اور اس میں چار ہزار آٹھ سو حدیثیں بیان کی ہیں۔ مگر انسان کو دین کے لئے ان میں چار احادیث کافی ہیں:۔

(۱) إنما الاعمالُ بالنیات:۔ تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے۔

(۲) من حسن اسلام المرأ ترکہ مالا یعنیہ:۔ آدمی کی اسلام کی خوبیوں میں سے یہ ہے کہ وہ ان باتوں کو ترک کر دے، جن کا اسے کوئی فائدہ نہیں۔

(۳) لا یکون المومن حتی یرضی لاخیہ ما یرضی لنفسہ:۔ مومن مومن نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لئے بھی وہی بات پسند کرے، جو اپنی ذات کے لئے پسند کرتا ہے۔

(۴) الحلال بین والحرام بین وبینھما امور مشتبھات لا یعلمھا کثیرٌ من الناس فمن

اتقی المشتبھات فقد استبرأ لعرضہ و دینہ ومن وقع فی الشبھات کراع یرعی حول الحمی یوشک ان یواقعہ :۔ حلال اور حرام امور ظاہر ہیں اور حلال اور حرام کے درمیان مشتبہ باتیں ہیں، جو ان مشتبہ امور کو ترک کر دے گا، وہ اپنی آبرو اور دین کو بچائے گا، اور جو ان مشتبہ امور میں پڑے گا، وہ اس چرواہا کی مانند ہے، جو چراگاہوں کے گرد اپنے جانور چراتا ہو، تو بہت ممکن ہے کہ وہ انہیں چراگاہ میں چرانے لگے (اور اس طرح قابلِ مواخذہ ٹھہرے) ۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی نے ان چار احادیث کے کافی ہونے کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ ایک مجتہد و مرشد کو شریعت کے کلّی قواعد اور مشہور اُمور سے واقف ہونے کے بعد جزئی مسائل اور واقعات میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ کیوں کہ پہلی حدیث عبادات کی صحت اور درستگی کے لئے، دوسری عمرِ عزیز کی حفاظت کے لئے، تیسری روایت پڑوسیوں، قرابت داروں اور دوسرے متعلقین اور متعارف لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کے لئے اور چوتھی حدیث ان تمام شکوک و شبہات اور تردّدات کے ازالہ کے لئے کافی ہے، جو علماء اور ان کے دلائل کے اختلافات کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔[۴۰]

۴۰، ترجمہ از فارسی اقتباس بستان المحدثین ص ۱۰۷